قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سحر انگیز شخصیت

ڈاکٹر ایوب ندیم

Dr. Ayub Nadeem

Associate Professor, Department of Urdu,
Govt. College of Science, Wahdat Road, Lahore.

Abstract:

Quaid-i-Azam had an impressive personality. Nobody could made a question on his honesty, truthfulness, wisdom and straightforwardness. He was the Man of Principles. He had clarity in his mind towards his object. He had displayed the case of Pakistan on both sides, publically and legally. When we compare Quaid-i-Azam and Gandhi , the personality of Quaid comes with perfection.

قائداعظم محمد علی جناح ایک سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ تعلیمی دور سے وکالت تک، وکالت سے سیاست تک اور سیاست سے قیادت تک، انھوں نے اپنے شخصی اوصاف سے ایک جہان کو متاثر کیا۔ مسلمانانِ برصغیر تو ان کے شخصیت کے گرویدہ ہو گئے، دیگر مذاہب کے بھی کئی معتبر افراد ان کے اعلیٰ خصائص کو جانتے اور مانتے تھے۔ انھیں مسلم لیگ سے باہر بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پروفیسر مظفر مرزا کی تصنیف ''قائداعظم اور گاندھی'' نہ صرف اُن کے ان اوصاف کا احاطہ کرتی ہے، بل کہ اُن کے مدمقابل سیاسی رہنما گاندھی جی کے عادات و اطوار کو بھی سامنے لاتی ہے۔ گویا یہ تصنیف برصغیر کے دو ایسے نامور سیاسی رہنماؤں کے تقابل پر مشتمل ہے، جو تحریک آزادی کے فیصلہ کن زمانے میں برصغیر کے سیاسی منظر نامے پر سب سے نمایاں تھے۔ یہ تصنیف قائداعظم اور تحریک پاکستان سے اُن کی والہانہ محبت کی مظہر ہے۔ قائداعظم کی پُر اثر شخصیت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت قائداعظم خدا تعالیٰ کی ایک شاہکار تخلیق تھے۔ اگر دنیا کے سیاسی قائدین کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو حضرت قائداعظم سب سے بلند اور ارفع و اعلیٰ مقام کے مالک نظر آئیں گے۔ انھوں نے ایک خاص مقصدِ حیات کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں اوقوتیں پابند ضوابط رکھیں۔''(۱)

قائداعظم کے بارے میں تو قریباً ہر تعلیم یافتہ پاکستانی جانتا ہے کہ اُن کا اصل نام محمد علی جناح ہے۔ وہ ۱۸۸۶ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی میں ہی حاصل کی، پھر انگلستان چلے گئے، جہاں سے انھوں نے ''بار ایٹ لا'' کیا۔ وطن واپس آ کر وکالت کو بہ طور پر پیشہ اختیار کیا اور بمبئی میں پریکٹس شروع کی۔ پہلے کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے سرگرم رہے، بعد ازاں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ مسلمانانِ ہند کی آزادی کی جدوجہد کو بام عروج تک پہنچایا۔ اُنھی کے قیادت میں قیام پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اور ۱۹۴۸ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ لیکن گاندھی جی کے بارے میں معلومات ہمیں اکثر منتشر صورت میں ملتی ہیں۔ گاندھی کا اصل نام موہن داس کرم چند تھا۔ وہ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم لندن سے حاصل کی اور وہیں سے ۱۸۸۹ء میں بار ایٹ لاء کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۳ء سے ۱۹۰۰ء تک قریباً سات سال جنوبی افریقہ میں رہے۔ ۱۹۰۵ء میں مغربی لباس ترک کر کے پہلے تہمند، کرتا اور پگڑی اور پھر لنگوٹ کو اپنا پیرہن بنایا۔ ہندوستان واپس آ کر آل انڈیا نیشنل کانگریس کی قیادت کی، کئی بار جیل گئے۔ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو ایک ہندو مرہٹے نے اُنھیں گولی مار کر قتل کر دیا۔

قائداعظم اور گاندھی کی شخصیتوں میں امتیازات اپنی جگہ، تاہم ان کے حالاتِ زندگی میں کئی اشتراکات بھی ملتے ہیں، جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ مظفر مرزا لکھتے ہیں:

> ''گاندھی عمر میں حضرت قائداعظم سے سات برس بڑے تھے۔ ان دونوں شخصیات کی مادری زبان گجراتی تھی۔ گاندھی کا خاندان پور بند سے بعد میں راج کوٹ منتقل ہوا اور حضرت قائداعظمؒ کا خاندان راج کوٹ سے کراچی منتقل ہوا، جہاں ان کے والد جناح پونجا نے چمڑے کے کاروبار میں دل چسپی لینا شروع کی۔۔۔ یہ قدرت کا کرشمہ تصور کیا جائے یا حسن اتفاق کہ گاندھی انگلینڈ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد راج کوٹ سے بمبئی پہنچے اور قائداعظم انگلینڈ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کراچی سے بمبئی پہنچے اور خدا تعالیٰ نے برصغیر کی دونوں شخصیات کو بمبئی ہائی کورٹ میں پریکٹس کے لیے آمنے سامنے کھڑا کر دیا۔''(۲)

گاندھی جب اپنی تعلیم مکمل کر چکے تو انہیں برطانوی حکومت کی طرف سے ریکروٹنگ ایجنٹ کی حیثیت سے جنوبی افریقہ بھیجا گیا تھا، جب واپس ہندوستان آئے تو سماجی خدمت میں مصروف ہو گئے جس پر انھیں حکومت برطانیہ کی جانب سے جنگی تمغے سے نوازا گیا۔ انھیں یہ تمغہ کس خدمت پر دیا گیا۔ اس ضمن میں بھارتی مصنف بی سین گپتا(B.Sengupta) اپنی کتاب'' Mahatama Gandhiand

india's struggle for sworaj ''میں لکھتے ہیں:

''برطانوی سلطنت کو ۱۸۹۹ء میں بائر گا چیلنج درپیش تھا۔ چناں چہ گاندھی نے والنٹیئر ایمبولینس کور تیار کی۔ اس کی وجہ سے ان کی خدمات کی تمام اخبارات میں تشہیر ہوئی اور پھر اسی خدمت کے صلے میں انھیں جنگی تمغہ بھی حاصل ہوا۔''(۳)

ایک قومی قائد کے لیے جن اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے، ان میں سچائی، خلوص، دیانت داری، تدبر و فراست، عزم و استقلال اور سیاسی بصیرت خاص طور سے اہم ہیں۔ پروفیسر مظفر مرزا نے ان جملہ خصائص کا ایک ایک کر کے تو جائزہ نہیں لیا، تاہم ان میں سے بعض خصوصیات کے حوالے سے دونوں رہنماؤں کا موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی بات کے حق میں امثلہ بھی پیش کی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ قائداعظم کے ایک عقیدت مند کے طور پر ان کا جھکاؤ اپنے قائد کی طرف ہے اور بعض مقامات پر گاندھی کے بارے میں بعض قدرے غیر ضروری امور اور واقعات بھی زیر بحث آ گئے ہیں، لیکن مجموعی طور پر انہوں نے تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ قائداعظم ایک وسیع الذہن اور وسیع القلب مسلمان تھے، فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کو ناپسند کرتے تھے، وہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی مسلک یعنی دین اسلام کا پیروکار سمجھتے تھے اور سب کو متحد دیکھنا چاہتے تھے، جب کہ ہندوؤں میں ذات پات کی وجہ سے اونچ نیچ کا نظام قائم ہے۔ برہمن اور اچھوت میں بڑا بعد ہے۔ گاندھی جی خود کو اہمسا کا اوتار قرار دیتے تھے اور برہمن کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے ان کا خیال تھا کہ اچھوتوں کو حقیقی ہندوازم سے دور رکھنا چاہیے۔ یہ مسئلہ محض گاندھی کا نہیں تھا، پوری ہندو قوم کا المیہ ہے۔ اس کے مقابلے میں قائداعظم کا طرز عمل قطعی مختلف تھا۔ وہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق مساوات اور برابری پر یقین رکھتے تھے۔ اس حوالے سے ممتاز حسین رقم طراز ہیں:

''تمام غریب مسلمان جناح کو کیا سمجھتے تھے، مجھے اس کا اندازہ ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ جب جناح لندن کے مشرقی حصے کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے انھیں دیکھتے ہی صفوں کی صفیں خالی کر دیں، تاکہ وہ سب سے آگے کی صف میں بیٹھ سکیں۔ انھوں نے آخری صف میں ہی بیٹھنا پسند فرمایا اور کہا کہ میں دیر سے آیا ہوں، کسی اور جگہ کا مستحق نہیں۔۔۔۔ اس کے بعد ہر نمازی نے ان سے مصافحہ کیا۔۔۔ ان کا ارشاد تھا کہ میں کسی ایسی مسجد میں جانا چاہتا ہوں، جو کسی فرقے کے لیے مخصوص نہ ہو اور جس میں غریب مسلمان نماز پڑھتے ہوں۔''(۴)

اس واقعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قائداعظم نہ صرف انسانی مساوات کے سختی سے قائل تھے بل کہ اصول پسند بھی تھے۔ انھوں نے لوگوں کے اس قدر عزت و احترام کے باوجود وہیں ٹھہرنا پسند کیا، جہاں قطار کے مطابق ان کی جگہ بنتی تھی۔ ایسا حوصلہ بہت کم انسانوں میں ہوتا ہے اور خاص طور سے ایسے انسانوں میں، جنھیں معاشرے میں مقام و مرتبہ بھی حاصل ہو۔

اُن کی اصول پسندی کے تو کئی واقعات اُن کے زمانہ وکالت میں بھی موجود ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اصول پسندی کو سیاست میں آنے کے بعد اختیار نہیں کیا، یہ ان کی سرشت میں شامل تھی۔ اس میں کسی طرح تصنع یا بناوٹ شامل نہیں تھی۔ ان کی اصول پسندی کے حوالے سے ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو، جسے مطلوب حسین سید نے اپنے ایک مضمون میں بیان کیا ہے:

> ''ایک مرتبہ بمبئی کے ایک تاجر عبدالکریم نے قائداعظم کو ایک مقدمے میں وکیل مقرر کرنا چاہا۔ قائداعظم نے فرمایا کہ میری فیس پانچ صد روپے روزانہ ہے۔ عبدالکریم نے کہا کہ میں اتنی بھاری فیس ادا کرنے کا متحمل نہیں، کچھ کم کریں۔ قائداعظم نے انکار کر دیا۔ عبدالکریم نے قائداعظم کے سامنے پانچ ہزار روپے کی رقم رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے آپ کی پانچ صد روپے روزانہ کی فیس منظور ہے، لیکن سرِ دست میرے پاس یہی رقم ہے، آپ مقدمے کی پیروی شروع کر دیں، باقی رقم میں مقدمہ کی پیروی کے دوران یا اختتام پر ادا کر دوں گا۔ قائداعظم نے تین دن میں مقدمہ کی پیروی کر کے مقدمہ جیت لیا اور عبدالکریم سے صرف تین دن کی فیس پندرہ سو روپے وصول کر کے باقی رقم اسے واپس لوٹا دی۔''(۵)

قائداعظم ایک پرخلوص رہنما تھے۔ انہوں نے اپنے حلقے میں بھی ایسی شخصیات کو پسند کیا، جن کے اخلاص پر انھیں اعتماد تھا۔ انہوں نے کانگریس سے ایسے لوگوں کو لینے سے انکار کر دیا، جو کسی لالچ یا طمع کے تحت مسلم لیگ میں آنے کو تیار تھے، انھیں اس حوالے سے خود مسلم لیگ کے اندر سے بعض تجاویز دی گئیں، بل کہ اصرار بھی کیا گیا مگر وہ نہ مانے۔ یہاں تک کہ انھوں نے شملہ کے ایک سرگرم مسلم لیگی کارکن پیرزادہ محمد ذکاءاللہ کی ایک ایسی ہی تجویز کو اس وقت مسترد کر دیا، جب مسلم لیگ ابھی ابتدائی دور میں تھی اور اس میں کارکنوں کی تعداد بہت کم تھی۔(۶)

قائداعظم کی ثابت قدمی کا یہ عالم تھا کہ وہ جب تک کانگرس میں رہے، ہندو مسلم اتحاد کے لیے تگ و تاز کرتے رہے، پورے اخلاص کے ساتھ اپنے مقصد پر کاربند رہے، مگر جب انھیں یقین ہو گیا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا

چاہتی ہے تو پھر انھوں نے مسلمانوں کے لیے آزادی کے حصول کی بے مثال جدوجہد کی۔ کانگریس کی طرف سے انھیں حصول پاکستان کے راستے سے ہٹانے کے لیے کیا کیا جتن کیے گئے، لالچ دیے گئے ،مگر انھوں نے کسی بات کی پروانہ کی اور اپنے عزم واستقلال سے برصغیر کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کو تحریک پاکستان میں بدل دیا اور بالآخر انہی کی قیادت میں پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ اس ضمن میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کے مستقل کالم ''سرِ راہے'' سے اقتباس دیکھیے:

> آزاد خالصتان کے لیے جدوجہد کرنے والی سکھوں کی عالمی تنظیم ببر خالصہ انٹرنیشنل نے یوم قائداعظمؒ کے حوالے سے پاکستانیوں کو خصوصی پیغام بھیجا ہے، جس میں قائداعظم کی قائدانہ صلاحیتوں کو شاندار خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر سکھوں کو بھی قائداعظم جیسا رہنما مل جاتا تو آج ان کا شمار بھی دنیا کی آزاد اقوام میں ہوتا۔''(۷)

''سرِ راہے'' نگار مزید لکھتے ہیں:

> ''مسز سروجنی نائیڈو، جسے ہندو جاتی نے ''بلبل ہند'' کا خطاب دے رکھا تھا، قائداعظم کے بارے میں کہتی ہیں کہ اگر مسلم لیگ کے پاس نہرو اور گاندھی جیسے ہزاروں لیڈر ہوتے تو وہ بھی پاکستان بنانے میں کامیاب نہ ہوتے، لیکن کانگریس کے پاس اگر ایک بھی جناح ہوتا تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔''(۸)

قائداعظم کی قائدانہ صلاحیت پر تو شاید کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی۔ ان کا شدید سے شدید مخالف بھی آج تک ان کی دیانت داری، راست گوئی اور جرأت مندانہ قیادت پر انگشت نمائی نہیں کر سکا۔ ان کے سوانح نگاروں نے بھی ان کی محنت، دیانت اور جرأت کو خاص طور سے موضوع بنایا ہے اور ان کے اعلیٰ اوصاف پر انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ ایک صاف گو مسلمان تھے جو ان کی زبان پر ہوتا، وہی ان کے دل میں ہوتا اور ان کے عمل سے بھی جھلکتا۔ ان کے مقابلے میں گاندھی سیاسی چالیں آزمانے میں مہارت رکھتے تھے، جو کہتے، عمل اُس سے مختلف ہوتا اور دل کی بات تو وہ زبان پر لاتے ہی نہ تھے۔ قائداعظم ان کے اس سیاسی طرزِ عمل سے خوب واقف تھے۔ اُن کی رائے تھی:

> ''حضرت قائداعظم نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، جالندھر کے اجلاس میں جو ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا تھا، فرمایا: مشکل یہ ہے کہ گاندھی جی کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا درحقیقت مقصد ہوتا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لاتے۔''(۹)

گاندھی جی کے قول وعمل میں یہ تضاد ہمیں کئی مقامات پر نظر آتا ہے۔ وہ ایک طرف برطانوی حکومت کے خلاف احتجاج میں مصروف تھے تو دوسری جانب وائسرائے سے راہ ورسم بڑھا رہے تھے اور اس کام پر انھوں نے کانگریس کے بعض رہنماؤں کو باقاعدہ طور پر لگا رکھا تھا۔ پھر پٹھانوں کے ساتھ ان کا رویہ ملاحظہ کیجیے: وہ ایک طرف خان عبدالغفار خان سے کہہ رہے تھے کہ پٹھانوں سے چاقو چھین لو، تاکہ تشدد کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ مگر دوسری جانب کلکتہ کی خواتین کو تاکید کر رہے تھے کہ وہ پستول وغیرہ اپنے پاس رکھیں اور گولی چلانا سیکھیں۔ تقسیم کے وقت مشرقی پنجاب میں جو آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی اور جس میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے، اس کے پیچھے بھی گاندھی جی اور اُن کے ہندو قائدین کی سیاسی چالیں کارفرما تھیں۔ یہ وہ زخم ہے جو ستر سال گزرنے کے باوجود مندمل نہیں ہوا۔

قائداعظم ۱۹۱۶ء آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ انھیں مسلم لیگ میں لانے والوں میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن پیش پیش تھے۔ مسلم لیگ میں شمولیت کے باوجود وہ کانگریس کے لیے وہ اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کانگریس سے وابستہ رہ چکے تھے اور ابھی تک کانگریس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا تھا، جس پر وہ افسردہ یا رنجیدہ ہوتے۔ ۱۹۱۶ء میں انھوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کو باہم قریب لانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں دونوں جماعتوں کے مابین ''میثاق لکھنؤ'' ہوا، مگر جب بعد میں کانگریس کے اقدام سے یہ عیاں ہوا کہ وہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کے طور پر سرگرم عمل ہے تو قائداعظم کے تصورات بھی بدل گئے۔ ان کا تصور آزادی واضح ہوتا گیا، جو دراصل تصورِ پاکستان تھا۔ قائداعظم جب مسلم لیگ میں دوبارہ سرگرم عمل ہوئے تو آپ کے سامنے منزل کا تصور اظہر من الشّمس تھا، علامہ اقبال کے خطوط بنام جناح اور پھر اقبال کے خطبہ الٰہ آباد نے مسلمانانِ ہند کو ان کی منزل مقصود کی راہ دکھادی تھی۔ ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں آپ اور اقبال، دونوں مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر شریک تھے۔ ہمایوں ادیب لکھتے ہیں:

> ''۲۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے دونوں گروپوں نے محمد علی جناح کی صورت میں متحد ہو جانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا اور مسٹر جناح کو متحدہ مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔''(۱۰)

۱۹۴۰ء تک آتے آتے آپ نے اپنے تیقن اور عزم و استقلال کو مسلمانانِ ہند کے دل و دماغ میں منتقل کر دیا تھا۔ آپ کی گفت گو ہمیشہ مصلحت اور ''اگر مگر'' سے پاک ہوتی تھی۔ آپ جو کہتے، پوری سچائی اور صاف گوئی سے بیان کرتے۔ آپ انگریزی میں بھی تقریر کرتے تو مسلمانوں کو یقین ہوتا کہ آپ جو کہہ رہے ہیں، سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ تھا عوام کا آپ پر اعتماد۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۰ء کو آپ نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کیا۔

''لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا مطمع نظر کیا ہے؟ بات بالکل صاف ہے، برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس مسلمانوں اور ہندوستان دونوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے، نہ مسٹر گاندھی اور کانگریس کو کرنے دیں گے، ہم دونوں کے اثر سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔''(۱۱)

جس طرح قائداعظم کا تصور آزادی واضح تھا، اسی طرح اردو زبان کے حوالے سے بھی اُن کے خیالات ہر طرح کے تذبذب اور مصلحت سے ماورا تھے۔ قائداعظم اگرچہ اردو کم جانتے تھے، لیکن جس قدر جانتے تھے، کوشش کرتے کہ اپنا ماضی الضمیر اردو میں بیان کریں۔ انگریزی کے بعد جو دوسری زبان اُن کے لبوں پر رہی، وہ اردو تھی۔ ایسے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ انھوں نے بنگال کے بعض علاقوں میں بھی اردو میں تقاریر کیں، جہاں بنگالی سمجھنے والے زیادہ تھے، یا کسی حد تک انگریزی سمجھنے والے بھی موجود تھے۔ اس کے برعکس گاندھی ہندی زبان کا فروغ چاہتے تھے، مگر قائداعظم کی اولین ترجیح اردو تھی، کیوں کہ وہ اردو کو مسلمانوں کی زبان کا درجہ دیتے تھے اور یہ بات اُن کے ذہن میں راسخ تھی کہ جس طرح برصغیر میں بسنے والی مختلف قومیں اپنے واحد مذہب اسلام کی وجہ سے متحد ہیں، اُسی طرح اردو زبان یہاں کے مختلف خطوں میں بسنے والے مسلمانوں کے درمیان رابطے کی زبان بن سکتی ہے اور جب مختلف النوع لوگوں کا مذہب اور زبان ایک ہو جائیں تو وہ ایک قوم بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں قائداعظم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے

''میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اردو ہوگی۔''(۱۲)

گویا قائداعظم کی زندگی میں قیام پاکستان سے پہلے ہی قائد نے منادی کرا دی تھی کہ قیام پاکستان کے بعد اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوگا، لیکن قیام پاکستان کے بعد اس اعلان کی تکمیل میں آج بھی کتنے ہی بیرئیر حائل ہیں یا حائل کر دیے گئے ہیں، یہ امر قابل افسوس نہیں تو اور کیا ہے!

قائداعظم جب کانگریس میں تھے، ہندو مسلم اتحاد کے لیے مخلصانہ مساعی کرتے رہے، مگر جب مسلم لیگ میں آ گئے تو پھر بھی ان کی کوشش تھی کہ اپنے اپنے الگ الگ منتہائے مقصود کے باوجود دونوں قوموں کے مابین مفاہمت کی فضا قائم ہو۔ ہندو مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں اور مسلمان ہندوؤں کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ کریں، چناں چہ انھوں نے ہندو مسلم عدم تشدد کے لیے ہمیشہ اپنے اصولی موقف کی پاس داری کی اور یہ بات کانگریس قیادت کو بھی باور کراتے رہے۔ ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ تحریری طور پر ہندو مسلم سمجھوتہ وجود میں آئے تاکہ مستقبل میں دونوں قوموں کے درمیان کسی انتشار یا

فساد کی فضا پیدا نہ ہو۔اس مقصد کے حصول کے لیے قائداعظم نے گاندھی سے ملاقاتیں بھی کیں۔مگر چوں کہ گاندھی کے دل میں کوئی معاملہ موجود تھا، وہ کانگریس کی جانب سے ایسے کسی سمجھوتے کے لیے پس وپیش سے کام لیتے رہے اور قائداعظم سے کہا کہ میں ہندوؤں یا کانگریس کی طرف سے نہیں، اپنی ذاتی حیثیت میں کچھ کرنے پر آمادہ ہوں۔ یہ بات قائد کے لیے باعث اطمینان نہ تھی، لہٰذا انھوں نے گاندھی کے اس طرزِ عمل پر اپنے ردِعمل کا اظہار ایک خط میں کیا، لکھتے ہیں:

> ''محترم جناب گاندھی! ہماری کل ۹ ستمبر کی گفت گو کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی انفرادی حیثیت میں مجھ سے ہندو مسلم سمجھوتہ پر بات چیت کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔اور یہ کہ آپ نہ تو کانگریس یا ہندوؤں کے ایما پر آئے ہیں، نہ ہی آپ کو کوئی نمائندہ حیثیت یا اختیار ہے۔حتیٰ کہ آپ ایسا کرنے کے مجاز بھی نہیں۔قدرتی طور پر میں نے آپ سے کہا تھا کہ فریق ثانی کی طرف سے کوئی نمائندہ حیثیت کا حامل شخص ہونا چاہیے، جس کے ساتھ میں بات چیت کرسکوں اور اگر ممکن ہو تو ہندو مسلم مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ بھی طے کرلوں، لیکن جو حیثیت آپ نے اختیار کی ہے اس کی پہلے کوئی مثال بھی نہیں۔''(۱۳)

گاندھی کے نام قائداعظم نے یہ خط ۱۰ ستمبر ۱۹۴۴ء کو لکھا، جس سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ قائداعظم ہندو قیادت کی مسلم دشمنی کے خطرات کو محسوس کرتے تھے اور کسی ممکنہ فساد سے مسلمانوں کو بچانا چاہتے تھے، لیکن گاندھی اس کے لیے تیار نہ تھے جس کا نتیجہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی صورت میں برآمد ہوا۔

قائداعظم اور گاندھی کے مذہبی وسیاسی نظریات میں نہ صرف فرق تھا، بل کہ دونوں میں ایک معکوس تعلق تھا۔دونوں کی منزلیں تو جدا تھیں ہی، دونوں کے راستے بھی جدا تھے۔قائداعظم کو گاندھی کے بعض اقدام سے شدید اختلاف تھا اور وہ ان پر اپنا ردِعمل بھی دیتے تھے، لیکن انھوں نے گاندھی کے لیے کبھی طعن وتشنیع کی زبان استعمال نہیں کی نہ ہی ان کی ذاتی شخصیت پر کبھی کوئی حملہ کیا، ہمیشہ اعتدال اور توازن کو برقرار رکھا۔ایم اے حسین نے قائداعظم کے اس مثبت رویے پر یوں خامہ فرسائی کی ہے:

> ''۷ جون ۱۹۳۱ء کو کچھ مسلمان طالب علموں کی ملاقات سینٹ جان کالج میں چائے پر ہوئی اور یہاں ذرا بے تکلفی سے باتیں ہوئیں۔ اس ملاقات میں جناح صاحب نے ہندوؤں کے ارادوں کے متعلق زیادہ یقین کے ساتھ شبے ظاہر کیے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے

کہ اس دن جناح صاحب نے گاندھی جی کا ذکر برابر ''مہاتما جی'' کہہ کر کیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آخر ہندو ہیں، اس لیے ان کے لیے ہندوؤں کا مفاد باقی ہر مفاد سے بڑھ کر ہے۔''(۱۴)

قائداعظم ایک قدآور شخصیت تھے، ایسی شخصیات کے اتفاق اور اختلافات کی گنجائش ہر کسی کے لیے موجود ہوتی ہے، جہاں ایسی شخصیات کے مداح ہوتے ہیں، وہاں ناقد بھی موجود ہوتے ہیں۔ یوں بھی کوئی شخصیت سراپا حسن وخوبی نہیں ہوتی، کمیاں اور کوتاہیاں بھی انسانی وجود کا حصہ ہیں، مگر ہمارے ہاں تنقیص نگاری یار جحان کچھ زیادہ ہی ہے۔ تحریک پاکستان کے ایک اہم رہنما بہادر یار جنگ نے ایک دل چسپ بات لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب کو تحریک پاکستان کے قائدین کی عظیم خدمات کے باوجود ان میں خامیاں نظر آتی ہیں تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے ان کے خیالات پر برانگیختہ نہیں ہونا چاہیے۔ ان کا مؤقف انہی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو، یہ خط انہوں نے حمید نظامی کے نام لکھا:

''مجھ سے لوگ اکثر شکایت کے انداز میں کہتے ہیں کہ ہندو اپنے ناقص کو بھی آسمان پر پہنچاتا ہے اور مسلمان اپنے کامل کی بھی ٹانگ کھینچتا ہے۔ میں اس میں مسلمان کا نقص نہیں، حُسن دیکھتا ہوں۔ ہندو کا ناقص بہرحال اس کی گائے ''گنگا، پیپل اور سنگ ہائے ناشر استدہ سے اچھا ہے جو اس کے لیے معیار کمال ہے اور مسلمانوں کا کامل بھی مسلمانوں کے معیار کمال یعنی قرن اوّل کی قیادت پر پورا نہیں اترتا۔''(۱۵)

قائداعظم یقیناً ایک جامع شخصیت تھے۔ ان کے مقابلے میں گاندھی کو روایتی سیاست کا نمائندہ تو کہا جاسکتا ہے، مگر جس طرح قائداعظم میں سچائی اور صاف گوئی تھی، اس کی مثال ہماری سیاسی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ قائداعظم روایتی سیاست کی مکاریوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ انھوں نے حصول پاکستان کے لیے عظیم الشان جدوجہد کی اور مسلم لیگ کو برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنا دیا، لیکن اس ساری جدوجہد میں انھوں نے ملکی قوانین کو ملحوظ خاطر رکھا، گاندھی کے لیے ملکی قوانین کو توڑ کر جیل جانا ایک اعزاز تھا، لیکن قائداعظم کا طرز سیاست کانگریسی قیادت سے قطعی مختلف تھا۔ اس امر کی شہادت اس عہد کی مختلف تحریروں میں ملتی ہے۔ قائداعظم نے پاکستان کا مقدمہ عوامی اور آئینی، دونوں سطح پر نہایت کامیابی سے پیش کیا۔ عوامی سطح پر انھیں اس قدر پذیرائی حاصل ہوئی کہ پورے برصغیر میں ہر مسلمان بچے بوڑھے، جوان، مرد وزن کی زبان پر پاکستان کا نام تھا اور ''بن کے رہے گا پاکستان'' کا نعرہ گلی گلی، قریہ قریہ، بستی بستی، شہر شہر گونج رہا تھا۔ اسی طرح آئینی اور قانونی سطح پر بھی انہوں نے حکومت برطانیہ کو اپنے اس موقف پر قائل کر لیا کہ ہندوستان میں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان آباد ہیں، انڈین

نیشنل کانگریس کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق حاصل نہیں۔ کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ ہندوستان میں رہنے والی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہے، درست نہیں۔ اس پر ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ کو برطانوی وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے اعلان کیا کہ کانگریس سارے ہندوستان کی نمائندہ نہیں۔۔۔ کانگریس سے باہر اس کے خلاف صف آرا نو کروڑ مسلمان بھی ہیں، جنھیں اپنے معاملات کے بارے میں اظہار خیال کا پورا حق حاصل ہے۔ علاوہ ازیں کانگریس پسماندہ طبقات سکھوں اور عیسائیوں کی ترجمان و نمائندہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی۔(۱۶) قائداعظم کی بے مثال شخصیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے میاں بشیر احمد نے لکھا ہے:

> ''جس طرح اتاترک نے ترکیہ کو سنبھال لیا، اسی طرح قائداعظم نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے لیے آزادی کی راہ کھول دی۔ ہر ملک کے حالات جدا اور ہر رہنما کا کام بھی جداگانہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ قائداعظم نے جو کام کیا، وہ اپنی جگہ لازوال تھا اور اس کے اثرات مدتوں تک اسلامی دنیا میں محسوس ہوتے رہیں گے۔''(۱۷)

قائداعظم اور گاندھی کے تقابلی مطالعے سے قائداعظم کی شخصیت مزید نکھر کر سامنے آئی ہے۔ واقعات تحریر کو نہ حرف مزید دل چسپ بناتے ہیں، بل کہ شواہد کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں پروفیسر مظفر مرزا نے واقعات کی جمع آوری اور ان کا بیان مہارت کا متقاضی ہے۔ اشعار اور نظموں کے پر محل استعمال سے قاری کی رغبت کو افزوں کیا ہے۔ ان میں اقبال، اثر صہبائی اور قتیل شفائی کی منظومات خاص طور سے اہم ہیں۔ قائداعظم اور گاندھی کی شخصیات کے تقابل میں دونوں کے شخصی خصائص کے پہلو بہ پہلو تحریک خلافت، کابینہ مشن پلان، تحریک رسول نافرمائی مونٹ بیٹن کی بہ طور وائسرے ہند آمد، قرداد پاکستان کی منظوری، کانگریس کا ردعمل، گاندھی کا قتل، سردار پٹیل پر الزام اور دیگر ایسے اہم تاریخی واقعات کو اہم حیثیت حاصل ہے، جن میں دونوں رہنماؤں کے طرز عمل سامنے آتے ہیں۔ قائداعظم اور گاندھی کی شخصیتوں، ان کی سیاسی زندگی اور قائدانہ صلاحیتوں کے موازنہ سے قائداعظم کے بارے میں ایسے شوک وشبہات بھی دور ہو جاتے ہیں، جو ان کے مخالفین کے پیدا کردہ ہیں: قائداعظم کی سیاسی بصرت کا اس سے بڑا کمال کیا ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے ممکنہ منظر نامے کو برسوں پہلے بھانپ لیا تھا، وہ ہندو قیادت کے اس خواب کو جان گئے تھے، جس کی تعبیر وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ وہ ہمارے اُس عہد کے بیش تر مذہبی و سیاسی رہنماؤں کی طرح کانگریسی قیادت کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آئے، جو سیاسی بسیرت سے محروم تھے موجودہ بھارت میں مسلمانون کی حالت زار کا منظر نامے محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت پر دال ہے۔ قائداعظم نے ہندو اکثریت کا بت پاش پاش کر دیا اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ایک ایسے خطہ زمین سے بہرہ مند کیا، جہاں حکومت، سیاست، معیشت،

معاشرت، ثقافت، غرض ہر شعبہ زندگی میں انھیں اولیت حاصل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مظفر مرزا، پروفیسر محمد، قائداعظم اور گاندھی، لاہور: بزم اقبال، مارچ ۲۰۰۸ء، ص:۱۱

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ص:۱۲

۴۔ ممتاز حسن، مضمون: سالارِ قوم، مشمولہ: نقوشِ قائداعظم، مرتبہ: پروفیسر رحیم بخش شاہین، ص:۱۴

۵۔ مطلوب حسین سید، مضمون: ایک مردِ خود آگاہ، مطبوعہ: اقراء، قائداعظم نمبر، جون ۱۹۷۶ء، ص:۴۷

۶۔ ممتاز حسن، سالارِ قوم، نقوشِ قائداعظم، مرتبہ: پروفیسر رحیم بخش شاہین، ص۱۱۔۱۰

۷۔ کالم نگار، سرراہے، مطبوعہ: نوائے وقت، روزنامہ، لاہور، ۲۸ دسمبر ۱۹۹۱ء

۸۔ ایضاً

۹۔ مظفر مرزا، قائداعظم اور گاندھی، ص:۱۵

۱۰۔ ہمایوں ادیب، قائداعظم محمد علی جناح، ماہ وسال کے آئینے میں، لاہور: نظریہ پاکستان ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص: ۷۷

۱۱۔ سراج نظامی، مضمون: قائداعظم، مشمولہ: نقوش قائداعظم، بحوالہ: مظفر مرزا، قائداعظم اور گاندھی، ص:۵۰

۱۲۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قائداعظم اور اردو، مشمولہ: نقوش قائداعظم، بہ حوالہ: مظفر مرزا، قائداعظم اور گاندھی، ص:۳۳

۱۳۔ مظفر مرزا، قائداعظم اور گاندھی، ص:۲۵

۱۴۔ ایم اے حسین، مضمون: ایک نئے دور کا آغاز، مطبوعہ: ماہِ نو، کراچی، نومبر ۱۹۴۸ء، ص:۵۱

۱۵۔ بہادر یار جنگ، مکاتیب بہادر یار جنگ، کراچی: بہادر یار جنگ اکیڈمی، ص:۵۴۸

۱۶۔ سر نسٹن چرچل، بحوالہ: ہمایوں ادیب، قائداعظم: ماہ وسال کے آئینے میں، ص:۱۲۳

۱۷۔ بشیر احمد، میاں، مضمون: اسلامی دنیا کے دور اہنما، مطبوعہ: ماہِ نو، قائداعظم نمبر، کراچی، دسمبر ۱۹۵۰ء، ص:۲۰

☆.....☆.....☆